© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اشارات

پیرا شرا اور دل گداز

پاکستان بلکہ پوری دنیائے اسلام میں اس وقت مغرب پسند طبقوں اور اسلام کے علمبرداروں کے درمیان جو نزاع اور کشمکش جاری ہے وہ مسلم ممالک کی ترقی کی راہ میں سنگِ گراں ہے اور اسے جتنی جلدی ختم کیا جائے اتنا ہی یہ اسلام اور دنیائے اسلام کے لیے مفید ثابت ہو گی۔ کسی قوم کی اس سے زیادہ بدنصیبی کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے اندر خلفشار پیدا ہو جائے اور مختلف گروہ اپنی قوتوں کو مجتمع کر کے ایک راہ پر لگانے کے بجائے انہیں ایک دوسرے کے خلاف استعمال کرنے لگیں۔ چنانچہ ملت کا ہر دردمند فرد اس آویزش کو ختم کرنے کا آرزومند ہے۔ مگر یہ صورتِ حال جتنی اندوہناک ہے اتنی ہی پیچیدہ بھی ہے اور اس بنا پر کسی جذباتی فیصلے کے بجائے گہرے غور و فکر کی محتاج ہے۔ اور اس بات کی متقاضی ہے کہ ہم اسے جذبات کی شعلہ فشانیوں میں جلانے کے بجائے فہم و فراست کی معتدل میزان پر تول کر اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کریں۔ محض "ملک خطرے میں ہے"، "ملت پر آنچ ہے"، "اسلام ہی ہمارے دکھوں کا مداوا ہے"، "اس وقت اتحاد اور یقینِ کامل درکار ہے"، "عوام کی فلاح و بہبود ہمارا نصب العین ہے" کے نعرے ہمارے لیے کسی طرح بھی سود مند نہیں ہو سکتے بلکہ انہیں سن سن کر ہمارے کان پک چکے ہیں اور یہ اپنی معنویت بالکل کھو چکے ہیں۔ حتیٰ کہ اب ان کھوکھلے نعروں سے بجز اس کے کہ مایوسی اور قنوطیت میں اضافہ ہو، اور کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

مثلاً جب ہم یہ سنتے ہیں کہ ملک خطرے میں ہے تو قدرتی طور پر یہ جاننے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آرزومند ہوتے ہیں کہ جن لوگوں پر ملک کی حفاظت اور پاسبانی کی براہِ راست ذمہ داری عائد ہوتی ہے آخر وہ اس سلسلے میں کس قسم کا ایثار کر رہے ہیں۔ کیا انہوں نے اپنی مسرفانہ طرزِ زندگی کو چھوڑ کر اعتدال پسندانہ طرزِ زندگی کا آغاز کر دیا ہے؟ کیا انہوں نے اس خطرے کے پیشِ نظر معاشرے کے مختلف طبقات کے مابین اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی ایمانداری سے فی الواقع کوئی کوشش کی ہے؟ کیا انہوں نے اس بات کا کوئی التزام کیا ہے کہ نچلی سطح کے بیوقوف اور عقل و فکر سے یکسر عاری مصاحبین کے نرغے سے نکل کر اُن لوگوں کا اعتماد حاصل کریں جو اگرچہ ان کی ناجائز مدح سرائی تو نہیں کرتے مگر ملت کی بقا و فلاح کی سچی تڑپ رکھتے ہیں۔ ملک کے اُفق پر اگر بیرونی خطرات کے بادل منڈلا رہے ہیں تو اربابِ بست و کشاد پر بھی تو کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں وہ ان ذمہ داریوں کے معاملے میں آخر کیوں بے حس ہیں۔ یہ سوال ہر اُس شخص کے دل و دماغ میں خلش پیدا کرتا ہے جو اس ملت کا حقیقی خیر خواہ ہے

پھر ان حضرات کے اسلام کے متعلق خوش کن نعرے بھی اب ہمیں مسحور نہیں کر سکتے۔ اسلام بلاشبہ ایک خاص اندازِ فکر کا نام ہے اور اس کا اصل محل انسان کا دل و دماغ ہے لیکن یہ اندازِ فکر لازماً ایک خاص قسم کے سیرت و کردار پر منتج ہوتا ہے۔ اسے اختیار کرنے کے بعد انسان کے فکر و نگاہ کے زاویے بدلتے ہیں اور اس بنا پر نہ صرف اُس کی اپنی زندگی کا پورا ڈھانچہ بدل جاتا ہے بلکہ وہ اپنے ماحول میں بھی ایک عظیم انقلاب پیدا کرنے کا متمنی ہوتا ہے دنیائے اسلام کے سربراہوں کی اسلام سے محبت اور شیفتگی بالکل مسلّم اور ہر قسم کے شک و شبہ سے بالا، اللہ اور رسول سے اُن کا جذبۂ عشق سو فیصدی درست، لیکن انسان اپنے آپ کو یہ سوچنے پر مجبور پاتا ہے کہ جس اسلام کو یہ لوگ ملت کے سارے دکھوں کا واحد علاج سمجھتے ہیں آخر اس نسخۂ کیمیا کو آزمانے میں کیوں متامّل ہیں چلیے ہم بعض معاملات میں بین الاقوامی حالات کی بنا پر انہیں مجبور بھی سمجھتے ہیں مگر اسلام کے متعلق ان لوگوں کی کارروائیاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس نوعیت کی ہیں کہ حسنِ ظن کی آخری حد پر پہنچ کر بھی ہم اُن کے لیے کوئی وجہِ جواز پیدا نہیں کر سکتے۔ سود کا مسئلہ تو خیر ایک پیچیدہ مسئلہ ہے اور اسے ختم کرنے میں کافی محنت اور وقت درکار ہے۔ لیکن آخر یہ ناچ، گانے اور اسی نوعیت کے لہو و لعب کی دوسری سرگرمیوں کی تو بڑی آسانی کے ساتھ حوصلہ شکنی کی جا سکتی ہے۔ اسلام ان سرگرمیوں کو جس نگاہ سے دیکھتا ہے وہ بھی کسی سے پوشیدہ نہیں، اس مسئلے میں مسلمانوں کے کسی فرقے میں بھی کوئی اختلاف نہیں پایا جاتا۔ ان پُر آشوب حالات میں جب کہ "ملت پر آ بنی ہے" اس قسم کی سرگرمیاں ہمارے لیے جان لیوا ہیں۔ اور اس بارے میں تاریخ کا واضح فیصلہ بھی موجود ہے کہ چنگ و رباب نے ہمیشہ قوموں کو ذلت و مسکنت سے ہمکنار کیا ہے۔ انہیں ختم کرنے سے ہماری قومی آمدنی کو بھی کوئی نقصان پہنچنے کا احتمال نہیں مگر ان سب حقائق کو جانتے ہوئے بھی اگر ملت کے سربراہ دامے، درمے، قدمے سخنے ان کی سرپرستی کرنے پر کمر بستہ ہوں۔ تو پھر کسی شخص کے لیے یہ باور کرنا کیونکر ممکن ہے کہ یہ حضرات اسلام کو ہی ملتِ اسلامیہ کے دکھوں کا مداوا سمجھتے ہیں۔

اسی طرح عوام کی فلاح و بہبود کا نعرہ بھی بالکل مذاق معلوم ہوتا ہے۔ وہ عوام جن کی بھلائی مقصود ہے انہیں ایک منگے بندھے منصوبے کے تحت اپنے فطری حقوق تک سے محروم کیا جا رہا ہے۔ وہ اس ملک کے انتظام و انصرام میں کسی حیثیت سے بھی دخیل نہیں۔ مختصر سا نوکر شاہی طبقہ انہیں جس طرح چاہتا ہے بالکل میکانکی طور پر ہانک کرلے جاتا ہے ان کی گاڑھے پسینے کی کمائی پر چند خاندان دادِ عیش دے رہے ہیں۔ گرانی نے ان لوگوں کی کمر توڑ دی ہے اور وہ اپنی اولاد کے لیے تعلیم و علاج معالجہ کی سہولتیں تو کیا ان کے جسم و روح کے باہمی رشتہ کو برقرار رکھنے کا سامان بھی نہیں کر سکتے۔ امراء انہیں سرِ بازار ستاتے ہیں مگر ان کی کوئی شنوائی تک نہیں ہوتی۔ یہ سب اتنے واضح حقائق ہیں کہ انہیں سمجھنے اور جاننے کے لیے عقل کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کوئی زیادہ مقدار درکار نہیں۔ اس ملک کی عظیم اکثریت اس قسم کے حوصلہ شکن حالات سے دوچار ہے اور اس وجہ سے جب ان سے یہ کہا جاتا ہے کہ تمہاری فلاح ہمارا منتہائے مقصود ہے تو وہ یہی سمجھتے ہیں کہ ملک کی بالادست قوتیں ہماری بے بسی پر ہم سے مذاق کر رہی ہیں۔

کھوکھلے اور مسحور کن نعرے ایک مختصر سی مدت کے لیے تو کبھی مفید ثابت ہوتے ہیں لیکن یہ اُس خلا کو پُر کرنے سے ہمیشہ عاجز رہتے ہیں جو عمل کی کمی کی وجہ سے پیدا ہو جاتا ہے۔ جو نعرہ اپنے پیچھے ایک سچا عزم اور اخلاص نہیں رکھتا وہ جلد ہی بے وزن ہو کر رہ جاتا ہے اور لوگوں کی نظر میں اُس کی حیثیت ایک اضحوکہ سے زیادہ کچھ بھی نہیں ہوتی۔ اس بنا پر دنیائے اسلام کے قائدین کو یہ حقیقت اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہیے کہ اس قسم کے نعرے اُن کے عزت اور وقار میں اضافہ کی بجائے اُن میں کمی کا باعث ہو رہے ہیں۔ زندگی بڑے ٹھوس حقائق پر مبنی ہے اور کوئی اونچے سے اونچا نعرہ بھی ان حقائق کو جھٹلا نہیں سکتا۔ جس خادم کی آپ ہر وقت جوتوں سے تواضع کرتے رہیں، اُسے نہ تو پیٹ بھر کر کھانے کے لیے دیں اور نہ بدن ڈھانکنے کے لیے کپڑا مہیا کریں۔ پھر آپ کو نہ تو اُس کی عزت کا کوئی احساس ہو اور نہ اُس کی آبرو کا کوئی خیال۔ ان روح فرسا حالات میں رکھ کر اگر آپ اس سے یہ فرمائیں کہ "اس محل میں جو کچھ موجود ہے وہ بس تمہارا ہی ہے۔ اور تمہارے ساتھ جو ناروا سلوک کیا جا رہا ہے اُس میں صرف تمہاری بہتری ہی مقصود ہے تو وہ اسے بجز تمسخر کے اور کس چیز پر محمول کرے گا؟

ہماری دلی تمنا ہے کہ ہمارے رہبر اپنی اس غلط روش کو چھوڑ کر ایک معقول طرز عمل اختیار کریں اور حقائق خواہ کتنے ہی تلخ ہوں، اُن کا سامنا کرنے میں جرأت اور حقیقت پسندی سے کام لیں۔ اُن کے اس حقیقت پسندانہ رویہ سے اُن کا اعتماد بحال ہو گا۔ لوگوں کے دلوں میں اُن کی قدر و منزلت بڑھے گی اور وہ تاریخ میں قہر اور جبر کی طاقت کی حیثیت سے مشہور ہونے کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بجائے عدل وانصاف کے علمبردار اور ایثار و بے نفسی کے مظہر کی حیثیت سے یاد رکھے جائیں گے اور آنے والے انسانی قافلے اُن کے کارناموں سے ہدایت حاصل کیا کریں گے

اس سلسلہ میں سب سے پہلا فرض جو ملت کے رہنماؤں پر عائد ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ نہ صرف موجودہ صورتِ حال کا صحیح صحیح تجزیہ کرکے اس ملت کے اصل روگ کا سُراغ لگائیں بلکہ اس کے عروج و زوال کے اسباب پر بھی ایک تنقیدی نگاہ ڈالیں۔ کیونکہ جب تک یہ تجزیہ کرکے فساد کے اصل مرکز کا پتہ نہیں لگا لیا جاتا کوئی تدبیر بھی کارگر نہیں ہوسکتی۔

یہ صفحات اس بات کے تو متحمل نہیں کہ ہم موجودہ صورتِ حال کا کوئی تفصیلی جائزہ لے سکیں البتہ چند بنیادی باتیں ہم عرض کردیتے ہیں جن سے غور و فکر کے خطوط متعیّن کیے جاسکتے ہیں۔

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ ملتِ اسلامیہ فکر و عمل دونوں اعتبار سے اسلام سے روز بروز دور ہوتی چلی جارہی ہے۔ اس کی زندگی کا کوئی گوشہ اور اس کے قلب و دماغ کا کوئی ریشہ بھی ایسا نہیں جس کے متعلق ہم پورے یقین اور وثوق کے ساتھ یہ کہہ سکیں کہ اُس میں اسلام پوری آب و تاب سے جلوہ گر ہے۔ فکری اعتبار سے اگر دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ کہ اسلامی افکار و نظریات کے ساتھ ساتھ غیر اسلامی خیالات و تصورات بھی بڑے ذوق و شوق سے اپنائے جارہے ہیں اور اُن کی گرفت اسلامی معتقدات کے مقابلے میں ہم پر کہیں زیادہ مضبوط ہے۔ اسلام کے اساسی تصورات سے لیکر معمولی سے معمولی مسائل تک کے معاملے میں ہمارا طرزِ فکر غیر اسلامی اقدار کا ترجمان ہے۔ توحید، رسالت، ایمان بالغیب، ایمان بالآخرت، ایمان بالقدر الغرض اعتقادات کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جو غیر اسلامی اثرات سے یکسر پاک اور منزّہ ہو۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایمانیات سے گزر کر جب ہم عمل کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں تو وہاں صورتِ حال اس سے بھی زیادہ دگرگوں نظر آتی ہے۔ اسلام جن معروفات کو قائم کرنے کے لیے آیا تھا اُن کی طرف سے نہ صرف ہم غفلت برت رہے ہیں بلکہ اُن کے بارے میں ہم نے ایک معاندانہ رویہ اختیار کر رکھا ہے اور جن منکرات کے استیصال کی ہم پر ذمہ داری عائد کی گئی ہے اُنہیں ہم بڑھ کر سینے سے لگا رہے ہیں۔ آخر دیکھیے کہ کونسی بُرائی ایسی ہے جو ہم میں موجود نہیں۔ قمار، سود، شراب نوشی، فحاشی اور اسی طرح کی دوسری برائیوں کا ہمارے ہاں عام چلن ہے۔ انہیں دیکھ کر کوئی انسان یقین نہیں کر سکتا کہ ہم کسی لحاظ سے بھی امّتِ وسط ہیں اور ہمارے وجود کی غرض و غایت یہ ہے کہ ہم نوعِ انسانی کے درمیان حق کے علمبردار کی حیثیت سے کھڑے ہوں۔ اس افسوسناک صورتِ حال کو کن اسباب نے جنم دیا یہ الگ بحث ہے لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اسلام کے معاملے میں ہم ایک مجرمانہ تغافل کے مرتکب ہیں۔

دوسری طرف جب ہم نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہماری ملّت کو دین سے برگشتہ کرنے کے لیے جو منظم کوششیں وقتاً فوقتاً کی جاتی رہی ہیں وہ بھی چنداں کامیاب نہیں ہو سکیں۔ دوسرے ممالک کو تو جانے دیجیے خود اس برِّ اعظم میں دیکھیے کہ یہاں جن لوگوں نے اس قسم کا کوئی منصوبہ بنایا وہ قوت و طاقت کے باوجود اسے عملی جامہ پہنانے میں ناکام رہے، اور ان کے سارے عزائم برباد ہو کر رہ گئے۔

اس معاملے میں سب سے پہلے اکبر نے کوشش کی لیکن اُس کے ارادوں کو ایک فقیرِ بے نوا نے پروان نہ چڑھنے دیا اور بادشاہ کی موت کے ساتھ ہی اس کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے۔ بلکہ اُس کی ان کارگذاریوں کا اُلٹا اثر یہ ہوا کہ دین کے حق میں فضا ہموار ہونے لگی اور شاہ و گدا دونوں کے دل میں دین کے لیے تڑپ پیدا ہوئی اور اُن دونوں نے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے جن کی افادیت رہتی دنیا تک قائم رہے گی۔ اورنگ زیب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عالمگیر اور شاہ ولی اللہ کی دینی خدمات کو آخر دنیائے اسلام کس طرح نظر انداز کر سکتی ہے۔

پھر ہم پر ایک منحوس وقت ایسا بھی آیا کہ ہم پر ایک ایسی قوم مسلط ہو گئی جو ہمارے دینی افکار اور احساسات کو کچلنے میں اپنی عافیت سمجھتی تھی چنانچہ اُس نے ہمیں مغربی تہذیب کا پرستار بنانے میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا۔ اس نے ہمارے معاشرے میں روشنی کے جتنے مینار تھے انہیں ایک ایک کر کے گرایا۔ ہمارے مکتب اور مدرسوں کی بیخ کنی کے لیے ایک جامع پروگرام تجویز کیا۔ ہمارے نوجوانوں کے دل و دماغ کو ماؤف کرنے کے لیے ایک نئی تعلیمی پالیسی وضع کی، اور کروڑوں روپے کے صرف سے اُسے کامیابی کے مراحل تک پہنچانے کی کوشش کی۔ ہمارے اندر جتنے ذہین لوگ تھے اُن کے ضمیر اور ایمان کے سودے کیے گئے۔ علماء کے اندر نفاق کے مختلف بیج بوئے تاکہ وہ اپنی صلاحیتیں کسی تعمیری کام میں نہ کھپا سکیں بلکہ فروعات میں اُلجھ کر رہ جائیں۔ لیکن اس کی یہ ساری کوششیں بھی مسلم قوم کو تہذیبِ مغرب کا مومنِ صادق بنانے میں ناکام رہی ہیں۔ بلکہ مشاہدہ اس حقیقت پر گواہ ہے کہ عین اس دور میں جب اس تہذیب کی چکا چوند روشنی نے لوگوں کی نظروں کو خیرہ کر رکھا تھا اور اس کی برتری منوانے کے لیے بڑی بڑی سلطنتیں اپنے وسائل صرف کر رہی تھیں اس وقت بھی یہ تہذیب ہمارے اندر جڑ نہ پکڑ سکی بلکہ اس کے خلاف نفرت و حقارت کے جذبات نمو پاتے رہے اور اُن تحریکات نے زور پکڑا جو لوگوں کو ان کی دستبرد سے بچانے کا عزم لے کر اٹھی تھیں۔

ایشیائی ممالک کے بارے میں تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک ایسے منطقے میں واقع ہیں جہاں کے رہنے والوں کے اندر فطری طور پر مذہبی احساسات موجود ہیں اس لیے مغربی تہذیب کا اُن کے دلوں میں سرایت کرنا قدرے مشکل ہے لیکن ٹرکی جو اس تہذیب کے عین

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

منجدھار میں واقع ہے وہاں بھی جدید ترکی کے معمار اور اس کے نجات دہندہ کے ہاتھوں یہ تہذیب نفوذ نہ کرسکی اور وہاں بھی اسلام اور جاہلیت کے درمیان اسی طرز کی کشمکش برپا ہے جو دوسرے مسلم ممالک میں ہمیں نظر آتی ہے۔

یہ ہے مختصر الفاظ میں دنیائے اسلام کی اصل صورتِ حال۔ یہاں نہ تو اسلام کو پوری یکسوئی سے اپنایا جا رہا ہے اور نہ مغربی تمدن ہی کو پوری طرح قبول کیا جا رہا ہے۔ فکر و عمل کا یہ انتشار اس کے لیے سخت مہلک ہے اور اس نے کروڑوں باشندوں کی صلاحیتوں کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ ہم کوئی ایسا راستہ تلاش کریں جس سے تذبذب اور تعطّل کی کیفیت دُور ہو اور مسلمان اپنی قوتوں کو ایک راہ پر لگا سکیں۔

آیئے سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ آخر مسلمان اسلام کو یکسر چھوڑ کر مغربی تہذیب کو کیوں اختیار نہیں کرتے۔ اس کی ہمارے نزدیک سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی عظیم اکثریت کو اس حقیقت کا احساس ہے کہ وہ اپنے پیچھے اپنا ایک شاندار اور درخشاں ماضی رکھتے ہیں۔ وہ اس امر سے پوری طرح واقف ہیں کہ اسی دین کے صدقے میں انہیں دنیا اور آخرت کی فلاح نصیب ہوئی۔ قوموں کی امامت اور قیادت ہاتھ آئی۔ پھر اسی کی بدولت انہوں نے تہذیب و تمدن کے گیسو سنوارے، علم کے صحیح خطوط متعین کیے، عقل کو چار چاند لگائے۔ انسان کو انسانوں کی غلامی سے نجات دلا کر اسے خدا کی غلامی کے آداب سکھائے۔ الغرض انسانیت کے اندر آج عدل و انصاف، نیکی اور پرہیزگاری، آزادی اور مساوات، عفت اور عصمت کی جتنی حیات آفریں اقدار موجود ہیں وہ سب کی سب انبیاء علیہم السلام کی مقدس امانت ہیں اور ان میں اسلام کا حصہ سب سے زیادہ ہے۔ مذہب بیزاری کے اس دور میں بھی اگر مذہبی اثرات کا جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آج کا انسان مذہب سے بیگانگی کے باوجود سب سے زیادہ اسی سے متاثر ہے۔ پھر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس مذہب نے انسانوں کے کسی گروہ کو فرش سے اٹھا کر عرش تک پہنچا دیا ہو اُس مذہب کو تیاگ دینا اُس کے لیے کوئی آسان کام نہیں ہو سکتا۔ انسان اپنے ماضی کی گرفت سے اُس وقت آزاد ہونا چاہتا ہے جب وہ تاریک ہو لیکن اگر ماضی انتہائی درخشاں اور تابناک ہو اور اُس تابناکی نے نہ صرف اُس کی زندگی کو منور کیا ہو بلکہ اُس کے آس پاس کے رہنے والوں کو بھی روشنی بخشی ہو تو اُسے ترک کر دینے کی حماقت وہی شخص کر سکتا ہے جو عقل سے بالکل عاری ہو۔

اسلام نے ماضی ہی میں اپنے ماننے والوں کو سربلندی عطا نہیں کی بلکہ تاریخ کے ہر دور میں ان کی رہنمائی اور دستگیری کی ہے۔ یہ اسی دین کا اعجاز ہے کہ غلامی کے پُرآشوب حالات میں جب حکمراں قوتیں انہیں نیست و نابود کرنے کے درپے تھیں، ان کا شیرازہ کلی منتشر نہ ہو سکا اور اس قوم کے افراد کے اندر کافی حد تک وحدتِ فکر اور وحدتِ احساس باقی رہا، اور اسی قوت کے بل بوتے پر اُس نے باطل کی قوتوں کا بے جگری سے مقابلہ کیا۔ مسلمانوں نے اخلاقی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی طور پر جتنے نمایاں کام سرانجام دیئے ہیں دراصل اُن کے پیچھے ہمیشہ ایک ہی چھپا ہوا احساس کارفرما رہا ہے کہ اُن کی زندگی کا ڈھانچہ ٹھیک اسی نہج پر مرتب نہیں ہے جس پر اسلام اُسے مُرتب کرنا چاہتا ہے۔

پھر اسلام کی تابندہ روایات مسلم قوم کے دل و دماغ کی اتھاہ گہرائیوں میں سرایت کر چکی ہیں اور یہی اس کی قوت و طاقت کا حقیقی سرچشمہ ہیں جس دین کے ساتھ کسی قوم کا اتنا گہرا اور قریبی تعلق ہو بلکہ اس کی فلاح و بقا کا سارا دارومدار اُسی پر ہو اُس سے آخر وہ جان بوجھ کر کس طرح مُنہ موڑ سکتی ہے۔

دوسری طرف اسلام کی جگہ جس تہذیب کا اُسے پرستار بنایا جا رہا ہے اُس میں ایک مسلمان اپنے لیے کوئی وجہِ کشش نہیں پاتا۔ یہ تہذیب ملتِ اسلامیہ کے لیے استبداد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا دیو بن کر آئی، جس نے آتے ہی اس پر فلاکت، ذلّت اور مسکنت مسلط کر دی۔ ایک مسلمان جب بھی اس تہذیب کے علمبرداروں کی مہمات پر غور کرتا ہے تو اُس کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس لیے اس کے دل میں کبھی اس تہذیب کے بارے میں احترام کے جذبات پیدا نہیں ہو سکتے۔ اس کے تسلط کی ہر کوشش کو وہ استعمار پسندانہ عزائم کی بازگشت سمجھتا ہے، خواہ اس کے مُرتکب اُس کے اپنے بھائی ہی کیوں نہ ہوں۔ چنانچہ دیکھیے کہ جو مسلمان اس قسم کی حرکات کرتے ہیں اُن کے ساتھ وہ ایک مغایرت اور اجنبیت محسوس کرنے لگتا ہے۔ اُس کے دل و دماغ میں اس تہذیب کی بڑی تلخ یادیں موجود ہیں جو اُس کے خُون کو کھولا دیتی ہیں۔

اس کے علاوہ ایک مسلمان کے لیے یوں بھی اس تہذیب میں کوئی چیز ایسی نہیں جو ایک سوچنے سمجھنے والے دماغ کو مفتوح کر سکے۔ دنیا میں جس وقت سے یہ تہذیب ابھری ہے اس وقت سے ذی رُوح انسانوں کے مقابلے میں بے جان سکوں کی قدر و قیمت حیرت انگیز حد تک بڑھنے لگی ہے اس تہذیب نے انسان کو جتنا مجبور اور بے بس بنا دیا ہے وہ تاریخ کی ایک نہایت ہی عبرتناک داستان ہے۔ اس کے ضمیر کو بڑی سفاکی کے ساتھ کچلا گیا ہے۔ وہ روٹی کے ایک ایک نوالے کے لیے بے رحم سرمایہ داروں کا دست نگر ہے۔ دولت کے ان پجاریوں نے غریب عوام پر جس طرح عرصۂ حیات تنگ کر رکھا ہے اُس سے پوُری دنیا واقف ہے۔ اور پھر لُطف کی بات یہ ہے کہ ملک کے قوانین ان کے مفادات کی حفاظت کے لیے وضع کیے جاتے ہیں۔ عدالتیں اُن کی پشت پناہی کرنے پر اپنے آپ کو مجبور پاتی ہیں۔ ملک کی انتظامیہ ان کی خدمت اور چاکری کے لیے معرضِ وجود میں آتی ہے۔ الغرض ان لوگوں نے انسانیت کے ایک عظیم طبقے کو بالکل مجبُور محض بنا کر رکھ دیا ہے۔

انسانیت کے ان "کرم فرماؤں" کی سعی و جہد کے نتیجے میں جو نظامِ حیات پروان چڑھا ہے آدم بیزاری، زیردست آزاری اُس کی نمایاں خصوصیات ہیں اور اس غازۂ تہذیب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے نیچے انسانی حرص و ہوا کی قوتیں پوری طرح کارفرما ہیں۔ اس تمدن نے آدمیت کی جس طرح مٹی پلید کی ہے وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ اس تہذیب کے گھناؤنے پہلو تقریب قریب بالکل بے نقاب ہو کر سامنے آگئے ہیں اور انہوں نے اُس خود فریبی کے طلسم کو بالکل توڑ کر رکھ دیا ہے جس میں گرفتار ہو کر لوگ یہ سمجھتے تھے کہ سرمایہ دارانہ نظام کی دولت آفرینی انسانی زندگی کے تمام اخلاقی اور سماجی مسائل کو حل کرنے میں کامیاب ہو گی۔ یہ اتنی واضح حقیقت ہے کہ اس کا اعتراف مغرب کے بڑے بڑے مفکرین، سائنس دانوں اور ادباء نے کیا ہے۔

اس تہذیب کے بارے میں لے دے کر ایک خوش کن مغالطہ یہ دیا جاتا ہے کہ اس نے انسانوں کے معاشی معیار کو بلند کیا ہے لیکن ایک انسان جب آنکھیں کھول کر اس کا مشاہدہ کرتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض فریب نظر ہے۔ اس نظام میں بلاشبہ ایک مختصر سے طبقے کو زندگی کی آسائشیں مہیا ہو گئی ہیں لیکن یہ سب کچھ پوری انسانیت کا خون نچوڑ کر حاصل کیا گیا ہے۔ چنانچہ امریکہ کے مشہور ناول نگار سنیکلر نے اپنے مختلف ناولوں میں اس کے تاریک گوشوں پر سے بڑی جرأت مندی اور چابکدستی کے ساتھ پردہ اٹھایا ہے مثلاً اس کے شہرۂ آفاق ناول "جنگل" میں امریکہ کے صنعتی اور سرمایہ دارانہ نظام کی اس رقابت اور کشمکش کا نقشہ پیش کیا گیا ہے جس کی بے رحمی اور بے اصولی کے سامنے جنگلوں میں حیوانوں کی زندگی جنت معلوم ہوتی ہے۔ اسی طرح ایک دوسرے ناول "تیل" میں وہ ان ساری زیادتیوں اور مردم آزاریوں کو طشت از بام کرتا ہے جو تہذیب حاضر کے محرکِ اعظم یعنی پٹرول کے بڑے بڑے کارخانہ داروں نے مزدوروں کے ساتھ روا رکھی ہے۔ ایک ناول "روپیہ لکھتا ہے" میں اُس نے اس راز کو فاش کیا ہے کہ اس نظام میں آزادیٔ رائے کا تصور محض خیالِ خام ہے۔ اخباروں کی رائے اور بیشتر کتابوں کی اشاعت بھی دولت کی غلام ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سرمایہ دار جس طرح چاہتے ہیں رائے عامہ کو اپنے ذوق کے مطابق ڈھال لیتے ہیں۔ یہ لوگ اس مقصد کے لیے محض پریس کی قوت استعمال نہیں کرتے بلکہ سکولوں اور کالجوں کے نصاب، طریقہ تعلیم، نظم و نسق اور استادوں کے تقرر پر بھی اپنا قابو رکھتے ہیں۔ اس ادیب نے ایک کہانی کی شکل میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کی ایک سوانح عمری لکھی ہے جس کا نام اس نے میر انام نجار رکھا ہے، اس میں اس عبرت انگیز حقیقت کا انکشاف کیا ہے کہ اگر کہیں عیسٰی علیہ السلام کا ظہور اس زمانہ میں ہو جائے اور وہ امریکہ کی تہذیب کا مشاہدہ کریں جس کی بنیاد بہ ظاہر مسیحیت پر رکھی گئی ہے تو امراء، ارباب سیاست اور کلیساؤں کے پیشواؤں میں زبردست ہلچل بپا ہو جائے اور حکومت مذہبی لیڈروں کی رضامندی سے اُن کی انقلابی تعلیم کو خطرناک اور مفاد عامہ کے مخالف قرار دے کر یا تو انہیں قید خانہ میں ڈال دے یا مجنون قرار دے کر اُن کی آزادی سلب کر لے یا اُن کے ساتھ وہی شرمناک سلوک کرے جو دو ہزار سال قبل روم میں روا رکھا گیا تھا۔

مغربی تہذیب کے بارے میں یہ حقائق کسی مبالغہ آمیزی پر مبنی نہیں بلکہ یہ وہ عام مشاہدات ہیں جن سے ہر شخص آج پوری طرح باخبر ہے ان کے کھل کر سامنے آجانے کے بعد کوئی ہوش مند قوم انہیں اپنے ہاں دیکھنے کی آرزو مند نہیں ہو سکتی۔ آخر سوچیے کہ چند مادی فوائد اور لذائذ کے حصول کی انسانیت کو کیا قیمت ادا کرنا پڑی۔ اُسے استعماری عزائم کا تختہ مشق بننا پڑا، خاندانی نظام کی خود اپنے ہاتھوں بنیادیں مسمار کرنا پڑیں۔ حیوانوں کی طرح نیا تُلا چارہ کھا کر زندگی کی بے پناہ مشقتیں اٹھانا پڑیں۔ ضمیر، ایمان اور اسی طرح کے دوسرے لطیف جذبات اور احساسات سے ہاتھ دھونا پڑا۔

ہمیں یقین ہے کہ مسلم قوم کی عقل کا ابھی اس حد تک دیوالیہ نہیں نکلا کہ وہ محض ایک مختصر سے طبقے کی مادی خوشحالی کے لیے اپنے ایمان، اپنے درخشاں ماضی کی تابندہ روایات، اپنے پاکیزہ سیاسی، معاشی اور معاشرتی نظام کو قربان کرنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اس قسم کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جتنے تجربات کیے جائیں گے وہ مستقبل میں بھی اسی طرح ناکام ہوں گے جس طرح کہ ماضی میں ناکام رہے ہیں۔ اس حقیقت کو جتنی جلدی ذہن نشین کر لیا جاتے اسی قدر مسلم قوم کے لیے یہ بہتر ہوگا

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ قوم مغربی تہذیب کو اپنانے کے لیے تیار نہیں تو پھر یہ اسلام کے معاملے میں کیوں یکسو نہیں ہو جاتی۔ اس کی بھی چند وجوہات ہیں۔ اس کی پہلی وجہ یہ ہے کہ مسلم قوم اس وقت عملاً جو زندگی بسر کر رہی ہے اور جس کا اسلام اس سے تقاضا کرتا ہے ان دونوں کے درمیان ایک وسیع خلیج حائل ہے۔ وقت کی اضطراری چال اپنے ساتھ جو نئے مسائل لے کر آتی ہے علماء نے اُن کی اہمیت کا صحیح احساس نہ کیا اور اُن کے بارے میں کوئی مؤثر رہنمائی نہ دی۔ صنعتی انقلاب کے بعد انسانی معاشرے کے اندر بے شمار پیچیدگیاں پیدا ہو گئیں۔ مثلاً طاقتور سرمایہ دار اور بے کس مزدور کے باہمی تعلقات۔ ریاست کی کلیت پسندی اور عوام کی بے بسی، سرمایہ دارانہ نظام کی جکڑ بندیوں اور سُود کا پوری معاشی زندگی پر تسلط، بے روزگاری معاشی چکر، مسابقت، معاشرتی تحفظ۔ الغرض اسی قسم کے بے شمار مسائل میں سے کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں جسے علماء نے خوش اسلوبی کے ساتھ حل کرنے کی کوشش کی ہو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے عوام دینی معاملات میں تو ائمہ اور صلحاء کی طرف رجوع کرتے رہے مگر سیاسی اور معاشی معاملات میں خالص دنیا پرستوں کی پیروی کرنے پر مجبور رہے۔ چنانچہ اُن کی اجتماعی زندگی میں مغربی تہذیب سرعت کے ساتھ سرایت کرنے لگی اور آج حالت یہ ہو گئی ہے کہ اس کے عیوب کو جاننے کے باوجود ہم اسے سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔ ہمارے علمائے کرام جب تک اسلامی سیاست، اسلامی نظامِ معیشت اور اسلامی نظامِ معاشرت کا صحیح نقشہ ہمارے سامنے پیش نہیں کرتے اور اُن مصائب کا حل نہیں بتاتے جن میں اس وقت انسانیت گرفتار ہے اس وقت تک مسلمانوں کے اندر فکر و عمل کے انتشار کا خاتمہ نہیں کیا جا سکتا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مغربی تہذیب نے ہماری اجتماعی زندگی کو ہی متاثر نہیں کیا بلکہ ہمارے افکار و تصورات کو بھی متزلزل کر کے رکھ دیا ہے۔ کفر آج جن راستوں سے ہم پر یلغار کر رہا ہے ہم نے ان کے سدباب کی کوئی مؤثر کوشش نہیں کی۔ ہمارا نوجوان طبقہ جب بھی روسو، جان اسٹوورٹ مل، ہیوم، برگسان، ہیگل، مارکس، ڈارون اور فرائیڈ کے نظریات کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اُن کی فکری لغزشوں کی نشاندہی نہیں کر سکتا۔ چونکہ یہ وقت کے غالب تصورات ہیں اس لیے شعوری یا غیر شعوری طور پر ان کے اثرات قبول کرتا ہے۔ باطل کے یہ افکار و نظریات تقریباً دو سو سال سے ہمارے نوجوانوں کے دماغوں کو مسموم کر رہے ہیں لیکن ہم نے صرف انہیں باطل قرار دینے پر اکتفا کیا ہے مگر ان کے ابطال کی کوئی فکر نہیں کی۔

دین میں بلاشبہ جذبات کا بھی ایک ضروری عنصر شامل ہے لیکن ہم جب تک اپنے معتقدات کے لیے عقلی بنیادیں فراہم نہیں کرتے محض جذبات کے بل بوتے پر انہیں زیادہ دیر زندہ نہیں رکھا جا سکتا۔ مارکس نے تاریخ کی جو مادی تعبیر پیش کی ہے اس کے مقابلے میں ہمارے کسی عالم نے تاریخ کی کوئی ایسی تعبیر پیش نہیں کی ہے جو ایک طرف تو اسلامی تصورات کی شارح اور ترجمان ہو اور دوسری طرف مارکس کی تعبیر کو واضح دلائل کے ساتھ جھٹلا سکے۔ ہمارا پرانا علمِ کلام جس کی مدد سے ہم نے یونانی افکار کی تردید کی تھی، آج ہمارے کچھ زیادہ کام نہیں آ سکتا۔ نئی تہذیب نے جن نئے افکار کو جنم دیا ہے اُن کے ابطال کے لیے نیا علمِ کلام درکار ہے۔ اور اس معاملے میں ہم کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھا سکے۔

پھر مسلم قوم کی دین سے دُوری کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس امت کی سیاسی قوت کافی حد تک دین کے خلاف استعمال ہوتی رہی۔ خلفائے راشدین کے بعد جن لوگوں کے ہاتھ میں سیاسی اقتدار آیا اُن میں سے کافی تعداد ایسے افراد کی تھی جنہوں نے ریاست کی قوت کو بجائے دینِ حق

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی سربلندی کے اپنی کبریائی کے ٹھاٹھ جمانے کے لیے صرف کیا۔ مسلمان حکمرانوں میں اگرچہ ایک دو کے علاوہ کسی کو یہ جرأت تو نہ ہوتی کہ وہ دین کی مخالفت کرے لیکن یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جا سکتی ہے کہ اُن کی عظیم اکثریت اُن فرائض سے غافل رہی جو دین کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اُن پر عائد کیے تھے۔ اگر یہ حضرات اپنے فرائض کو کماحقہٗ سرانجام دیتے تو ہمیں یہ ذلت اور خواری نہ اٹھانی پڑتی جو ہم اس وقت اٹھا رہے ہیں۔ ہمارے ہاں آج جو دینداری، خدا خوفی، نیکی اور پرہیزگاری موجود ہے وہ بادشاہوں کی کوششوں کی بجائے اُن بوریہ نشینوں کی ہمت کا نتیجہ ہے جو اپنے پاس کوئی دنیاوی سامان نہ رکھتے تھے۔

الغرض یہ حقیقت اپنی جگہ مسلّم ہے کہ مسلم قوم کی سیاسی قوت کے غلط استعمال کی وجہ سے اس امت کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچا ہے۔

مسلمان حکمرانوں کی یہ روش بلاشبہ قابلِ اعتراض تھی، لیکن جب تک تختِ شاہی پر مسلمان متمکن رہے اس وقت تک علماء اور اہلِ حق کو دینی کام کرنے کے اچھے خاصے مواقع میسر آتے رہے۔ بادشاہ کھل کر دین کی دشمنی نہ کر سکتے تھے۔ پھر اُن کے اندر جتنی برائیاں تھیں وہ صرف محلات تک محدود رہیں اور عوام پر بہت کم اثرانداز ہوئیں۔ اس کے علاوہ ریاست کا دائرۂ کار اتنا وسیع نہ تھا کہ وہ زندگی کے ہر شعبے میں پوری طرح دخیل ہوتی۔ چنانچہ علماء ربانی کے لیے تبلیغ اور اشاعتِ دین کے دروازے کھلے ہوئے تھے۔ عوام بغیر کسی شدید مزاحمت کے اسلامی زندگی بسر کر سکتے تھے۔ بادشاہ بس اسے ہی غنیمت سمجھتے تھے کہ تخت و تاج اُن کے لیے اور ان کی اولاد کے لیے محفوظ رہے۔ اقتدار کے علاوہ باقی معاملات سے وہ کوئی تعرض نہ کرتے تھے بلکہ اہلِ حق کی ہر طرح معاونت اور دستگیری کرنے پر ہر وقت آمادہ رہتے تھے۔

مگر اقتدار چھن جانے کے بعد ہمیں جن غیر ملکی طاقتوں نے غلامی کی زنجیریں (باقی صفحہ ۶۲ پر)

© rasailojaraid.com